

شیخ محمد عبد

(۱۸۳۹—۱۹۰۵)

===== (محمد نذیر کا خیل، رسیرچ فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی)

محدث علی فرمائے مصرا کے عہد میں مصری کسان (فلاحین) نہایت عسرت و تنگستی کے دن گزار رہے تھے۔ حکومت کی جانب سے عائد کردہ بھاری ٹیکسٹوں کی ادائیگی سے عاجز آ کر بہت سے فلاہین نے اپنی زمینیں چھوڑ دیں اور ادھر ادھر مارے مارے پھرنے لگے۔ محمد عبد کے والدین بھی اس سنپنچ نر سکے چنانچہ دوسرے فلاہین کی طرح انہیں بھی اپنی زمین چھوڑنی پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ محمد عبد نے اسی خانہ بدوسٹی کے زمانے میں آنکھیں کھولیں۔ عام طور پر ان کی تاریخ پیدائش ۱۸۷۹ء تباہی جاتی ہے۔ اور یہی تاریخ محمد عبد کی اکثر تحریروں میں ہمیں ملتی ہے۔ چند سال بعد عبد کا خاندان دوبارہ لپنے گاؤں محلات نصر آگیا اور اپنی کھوئی ہوئی زمین کا کچھ حصہ دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ان کے والد کچھ زیادہ پڑھنے کھے نہ تھے۔ تاہم انہوں نے عبد کی تعلیم میں کافی دلچسپی۔ عبد دس سال کے تھے کہ ان کے لئے قرآن شریعت حفظ کرانے کی غرض سے تابیق مقرر کیا گیا۔ بعد نے صرف ۲ سال کے عرصہ میں قرآن حفظ کر لیا۔ اس کے بعد انہیں طنطا کی جامع احمدی میں تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔ اس زمانے میں حصول تعلیم کے لئے کوئی ترغیبات نہ تھیں اور طریقہ تعلیم بھی نہایت ناقص تھا۔ چنانچہ محمد عبد کا دل تعلیم سے گھبر گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ دوسرے ہم عمر رکھوں کی طرح وہ بھی فلاہ بن جائیں۔ اسی درودان خوش مستحبتی سے ان کے والد کے ایک چاہیش درویش خدر کی کوششوں سے عبد کا دل پڑھانی میں لگ گیا۔ اور آپ نے باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ شیخ درویش ہی کے کہنے پر آپ دوبارہ طنطا کے مدرسے میں گئے۔ شیخ درویش چونکہ صوفی تھے اس لئے عبد بھی تصوف کی جانب مائل ہو گئے۔ یہ تصوف کے اثرات تھے، جنہوں نے آپ کی ذہنی قوائے کو بیداری بخشی۔

۱۸۷۶ء میں عبد نے جامعہ ازہر میں داخلہ لیا۔ وہاں آپ مروجہ نصابی کتب کے علاوہ فلسفہ اور تاریخ کی کتابیں بھی پڑھتے رہے۔ اذہر کی مدرسیں کے بارے میں بعد میں وہ کہا کرتے تھے:

اُزہر کے طریقے کے مطابق عربی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے میری ذہنی و عقلی قوتوں کو نقصان پہنچا ہے۔ میں نے سالہاں تک ان طریقوں کے اثرات سے اپنے دماغ کو پاک و صاف کرنے کی کوشش کی لیکن پوری کامیابی پھر بھی نہیں ہوئی۔^{۱۷}

^{۱۸۶۹} عرب میں پہلی دفعہ جب سید جمال الدین افغانی مصر تشریف لے گئے تو عبده کی ان سے ملاقات ہوئی۔ بعد میں جب سید صاحب دوبارہ ^{۱۸۷۸} عرب میں مصر پہنچے تو عبده نے ان سے باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ محمد عبده پر سید جمال الدین افغانی کے اذکار کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ وہ تصور کی نظری دنیا سے نکل کر عملی دنیا میں آگئے۔ آپ سید جمال الدین افغانی کی اصلاحی تحریک میں حصہ لینے لگے۔ اُزہر کی تعلیم سے عبده بھی مطمئن رہتے۔ اساتذہ کا طرز تدریس انہیں بالکل نہیں بھانا تھا۔ سید جمال الدین کے زیر اثر وہ نہ صرف روانی انداز سے پڑھنے پڑھانے کے مختص ہو گئے بلکہ اندھی تقلید نے جن بُری طرح لوگوں کے ذہنوں کو جبکھڑا تھا، آپ نے باقاعدہ اس کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ رسالت التوحید میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”آبائی تقلید کے شکر رجو انسانی نفس پر غالب ہو رہے تھے) اسلام نے ان پر سخت حملہ کر کے ان کو شکست دے دی۔ اور تقلید کے اصول جو خیالات میں راسخ ہو گئے تھے، ان کو جوڑ سے اکھاڑ کر پھٹک دیا۔ اس نے عقل کو لاکارا۔ خواب غفلت سے جگایا اور بینداؤاز سے پکارا کہ انسان اس لئے پیدا نہیں کیا گیا کہ وہ اونٹ کی طرح مہار پکڑ کر کھینچا جائے بلکہ اس کی فطرت میں اس بات کی قابلیت اور استعداد کی کمی ہے کہ وہ علم کے ذریعہ ہدایت حاصل کرے اور واقعات و حادثات کے اسباب اور ولائل کا سارع لگائے.....۔ پہلے زمانے میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ رہارے آباو اجداد علم و عقل میں زیادہ تھے یا پہلے زمانے والوں کے ذہن اور عقولیں موجودہ زمانہ والوں کے ذہنوں اور عقولوں سے زیادہ تھیں، بلکہ تمیز اور فطرت کے لحاظ سے پچھلے اور اگلے سب برابر ہیں بلکہ اکثر پچھلے لوگ گزشتہ زمانہ کے حادثات اور واقعات سے واقع ہو کر زیادہ تجربہ کارا اور باخبر ہو جاتے ہیں۔ گزشتہ زمانہ کے لوگوں کی نافرمانیوں اور بداعالیبوں سے جو ناخوشگوار شایج نکلے، ان سے بھی موجودہ زمانہ کے لوگ فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔^{۱۸}

طالب علمی کے زمانے میں محمد عبده نے اخبار الاهرام کے لئے (جو کہ اس وقت ہفتہ وار نکلنا تھا) کئی مقالے

لئے چارلس سی۔ ایڈمز۔ اسلام اور تجدید مصر میں۔ بحوالہ المنار۔ جلد ۸ ص ۳۹۹

لئے محمد عبده۔ رسالتة التوحید۔ (مصر ۱۹۵۶ء چودھویں ایڈیشن) صفحہ ۸۳۳۔

لکھے۔ ان میں سے ایک مقالہ "نظری رینیات اور معاصر علوم کا تقاضا" کے عنوان پر تھا۔ اس میں انہوں نے علماء کی جدید علوم سے پہ رنجی کا روشناروپیا۔ دراں حائلیکہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ جدید علوم کو اپنا کر ملت کو تباہی سے بچایا جائے، چنانچہ لکھتے ہیں :-

"علماء کو جو قوم کی روح ہیں، آج تک علوم حافظہ میں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا اور وہ اب تک نہیں مشاغل میں صرف ہیں، جو صرف پرانے اور مستر و ک زمانے ہی کے لئے موزوں تھے۔ وہ اس حقیقت سے بالکل غافل ہیں کہ ہم آج ایک نئی دنیا میں زندگی سب سکر رہے ہیں۔ اس زمانے نے ہمیں، ہمارے ذہب کو اور ہمارے وقار کو ایک ایسے صحر میں لاڈالا ہے جو خونخوار شیروں سے ٹپا ٹپا ہے اور وہ شکار کی طلب میں بے قرار پھر رہے ہیں۔ اگر ہم شیر بن جائیں تو اپنے آپ کو اور اپنے ذہب کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ورنہ یا تو ہمیں اپنے ذہب کو چھوڑ کر اور اپنی جانیں بچا کر جانانہ ہو گایا پس غلطی اور جہالت کے باعث تباہی کا شکار ہونا پڑے گا۔ ہمیں اپنی ہمسایہ سلطنتوں اور ذہب و کے مسائل کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ ہمیں ان کی ترقی کی وجہ معلوم ہو اور جب وہ معلوم ہو تو ہمیں اس کی طرف تیزی سے دوڑنا چاہیے تاکہ ہم ماضی پر غالباً سکین اور مستقبل کی سیاری کر سکیں۔ ہمیں نوان کی دولت اور قوت کا رانی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تعلیم اور علوم حافظہ میں ترقی کی۔ لہذا ہا افرض اولین یہی ہے کہ اپنی پوری قوت صرف کر کے اپنے ملک میں ان علوم کو پھیلایں۔" ۳

یشخ محمد عبدہ نے سید جمال الدین افعانی کے نئے طریقہ تعلیم اور فلسفہ سے ان کے شفقت کو صرف اپنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کا پیغمول ہو گیا کہ وہ جامعہ ازہر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مروجہ کتب کے علاوہ دوسری کتابیں پڑھتے اور اپس میں اُن پر مندرجہ کر رہے۔ اور ہمیں سے انہوں نے ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد رکھنے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ ۱۸۷۶ء میں جب وہ ازہر سے فارغ التحصیل ہوئے تو انہوں نے مدرسی کا پیشہ اختیار کیا۔ کچھ عرصہ تک ازہر میں پڑھانے کے بعد ان کو "دارالعلوم قاہرہ" میں جو کہ جدید خطوط پر تعلیم دینے کے لئے قائم کیا گیا تھا، بحیثیت تاریخ کے استاد کے مقفرز کیا گیا۔ جہاں انہوں نے پہلی مرتبہ "مقدمہ ابن خلدون" پڑھانا شروع کیا۔ اس زمانے میں ایک ازہری یشخ کا مقدمہ ابن خلدون پڑھانا بہت بڑی بات تھی۔

۳۔ سید محمد رشید رضا، تاریخ استاد الامام محمد عبدہ۔ جلد دوم رمصر (۱۹۲۳ء) ص ۲۷۳ و بعد۔ اور چارلس سی۔ ایڈمز۔ اسلام اور تجدید مصیر میں۔ (اردو ترجمہ عبد الجبار سالک) ص ۵۵

※ ازہر میں اس زمانے میں ابن خلدون داخل نصانیت تھا۔ حالانکہ میونس کی جامعہ زمیتوں میں ابن خلدون پڑھایا جاتا تھا۔

شیخ عبدہ نے "مقدمہ" کے کئی مباحث پر تفکیر بھی کی۔ انہوں نے ابن خلدون کی بہت سی ایسی باتوں سے اختلاف کیا جو کہ موجودہ زمانے پر پوری نہیں اُترتی تھیں۔ اپنی تفکیری مضامین کو یکجا کر کے تابی شکل دے دی گئی جس کا نام "علم الاجتماع و فلسفة التاریخ" رکھا گیا۔ ریہ تاب شائع نہیں ہوئی۔ شیخ محمد عبدہ کے شاگرد شید شیخ رشید رضا کے قول کے مطابق مقدمہ ابن خلدون کے تعارف نے جوان طالب علموں کی ذہنی قوتیوں کو اجڑا کیا۔ اور انہوں نے اس فہم کے علوم کے حصول کے لئے دلچسپی کا انہما رکیا۔ چنانچہ آگے چل کر اسی دارالعلوم کے فارغ التحصیل نوجوانوں، سعد زغلول، ایم ایم اتفاقی، حضنی ناصف، محمد صالح اور سلطان محمد عزیز نے قومی شعور بیدار کرنے اور مصر کو استعمار کے قبضہ سے آزاد کرنے میں ایم کردار ادا کیا۔ اسی زمانے میں شیخ محمد عبدہ کو "مدرسۃ السنۃ" میں بھی عربی زبان و ادب کا معلم مقرر کیا گیا۔ چنانچہ وہ تینوں تعلیمی اداروں میں بیک وقت خدمات انجام دیتے رہے۔

خدیو اسماعیل کا راستہ کا توفیق پاشا، سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کی تعلیمات سے متاثر تھا۔ اسے مک میں اصلاحات انداز کرنے کی بڑی خواہش تھی۔ لیکن جب جون ۱۸۷۹ء میں وہ بر سراقتہ رائے تو عالات نے ان کا سامنہ نہیں دیا۔ خدیو اسماعیل کی فضول خرچیوں کی وجہ سے مصر کا دیوالیہ نکل چکا تھا۔ اور اس طرح مصر بیرونی قرضوں تک دب گیا تھا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے لپٹے مالی معافرات کے تحفظ کی خاطر مصر کی سیاست میں دخل اندازی شروع کر دی۔ جمال الدین اور عبدہ اس کے خلاف تھے چنانچہ بڑا نوی توصل کے اشارے پر پرسید صاحب کو مصر چھوڑنے اور شیخ عبدہ کو لپٹے آبائی گاؤں " محلات نصر" چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن عبدہ کی یہ نظر بندی عارضی نہیں تھی بلکہ وہ عظم ریاض پاشا کی کوششوں سے ان کو قاہرہ بلایا گیا اور سرکاری اخبار "وقائع المصریہ" کا مشترک ایڈٹر اور بعد میں چیف ایڈٹر مقرر کیا گیا۔

"وقائع المصریہ" میں شیخ عبدہ نے اصلاحی مضامین نکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی طبیعت ابتداء ہی سے اصلاح پسند تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان مضامین کے ذریعہ رائے عامہ کو بیدار کریں۔ یہی سے ان کی اصلاحی تحریک کا آغاز ہوتا ہے۔ اس اصلاحی تحریک کے ان کی نظر میں چار مقاصد تھے:-

۱۔ دین اسلام کو غلط اثرات اور ناپسندیدہ اعمال سے پاک و صاف کر کے اس مقام تک

پہنچانا جہاں یہ خلافت را شدہ کے دور میں تھا۔

۲۔ مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کی اصلاح کرنے۔

۳۔ اسلامی نظریات کو جدید فکر کی روشنی میں ڈھاننا۔

۴۔ اسلام کا مغربیت کے اثرات اور مسیحی حملوں سے بچاؤ۔

اصلاح کے لئے آپ نے پہلی شرط یہ ضروری قرار دی کہ ملک میں سیاسی استحکام ہو۔ ان کے نزدیک استحکام کے لئے یہ بات نہایت اہم ہے کہ ملکی قوانین کا احترام کیا جائے ۵ قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینے والوں سے وہ کہتے ہیں کہ وقتی طور پر گھمنڈی یا گرتم ایسی حرکات کر لیتے ہو جو نظامہر لفظ بخشن لیکن حقیقتاً لفظان رہ ہوتی ہیں۔ امظوا اور دیکھو تمہاری طرح دوسرا نے لوگوں (یورپیں) نے قوانین ملکی کا احترام کر کے اپنے آپ کو کہاں پہنچایا اور کس طرح اپنے حقوق کا بول بالا کیا تھے اس کے ساتھ شیخ محمد عبیدہ نے حکمران طبیقہ کو بھی یہ مشورہ دیا کہ وہ عوام کے منتخب شدہ نمائندوں را ولی الامر کے صلاح و مشورے سے حکومت چلائے۔ اہل الشوری چونکہ عوام کے قابل اعتماد نمائندے ہوتے ہیں، لہذا ان کا یا ان کے مشورے سے بنایا ہوا قانون اصل میں عوام ہی کا بنایا ہو ۶ قانون ہوتا ہے کہ امفوں نے واضح کیا کہ ملک میں نافذ کردہ قوانین لیسے ہونے چاہیے جن کو لوگ سمجھ سکیں اور جو ملک کے خاص حالات کے مطابق ہوں۔ قوانین چونکہ حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ ان پر حیرافائی ایسا حالات اور مقامی رسم و رواج کا اثر پڑتا ہے اس لئے ایک ملک یا زمانے کے قوانین دوسرے ملک یا زمانے میں بعینہ نافذ نہیں کرنے چاہیے۔ بصورت دیگر وہ موجودہ نظام کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ ۷

"وقالَ الْمُصْرِيُّ" کے مضامین میں شیخ محمد عبیدہ نے اس بات پر زور دیا کہ قوم کی اصلاح کے لئے ایک لمبی مدت درکار ہوتی ہے۔ رسم و رواج جو ہمارے معاشرے میں راست ہو جکے ہیں، ان کو تبدیر کیج بدلنا چاہیے۔ چونکہ قوم کی ترقی کا دار و مدار افزاوی کی ترقی پر ہوتا ہے لہذا ابتداء افراد کی ترقی سے ہونی چاہیے۔ عوام کے کردار اور خیالات کی اصلاح قوم کا اہم ترین فرضیہ ہے۔ اس کے بغیر کوئی اصلاح ممکن نہیں۔ ان سب کا حل جیسی ہے کہ عوام میں تعلیم عام کی جائے اور موجودہ طریقہ تعلیم کو بہتر بنایا جائے۔ یورپی قوانین و اخلاق اپنا نامبری بات ہیں۔ بشرطیکہ ہم ان کا اچھا اثر قبول کریں۔ بصورت دیگر ان کی تقلید ہمارے اپنے اخلاق و عادات کو بھی ملیا میٹ کر دے گی۔ محض رسالے یا اعلانات جباری کرنا بھی اصلاحی تحریک کو آگے نہیں پڑھائیں گے۔ ضرورت اس امر کی

ہے کہ قوانین کو سمجھانے اور اصلاحی تحریک کو پڑھانے کے لئے دیہات، قصوبوں اور شہروں میں مختلف کیٹیاں قائم کی جائیں جن کا کام حکومت کے نافذ کردہ قوانین اور اصلاحی پروگرام سے عوام کو روشناس کرنا ہوتا کہ عوام ان میں شامل ہو کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔^۹

شیخ محمد عبدہ نے معاشرتی اصلاحات کے سلسلے میں "قائل المصریہ" میں کئی ایک مقالے لکھے۔ عالیٰ قوانین کے بارے میں ان کے دو مقالے "ماحاجۃ الانسان الی الزواج" اور "حکم الشرعیۃ فی تقدیم الزوجات" نہایت اہم ہیں۔ اول الذکر مقالے میں اخنوں نے ازدواج کو ایک ضروری ادارہ قرار دیا۔ دوسرا مقالے میں اخنوں نے کثرت ازدواج سے سماج میں سپیا ہونے والی نافعاتیوں کو تسلیم کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ ان نافعاتیوں کا اثر عالیٰ زندگی پر تباہ کن ہوتا ہے۔ مشریعت اسلامی نے ہر بیوی کے ساتھ انصاف کرنے کا جو حکم دیا ہے، اس کا عملی منشاء یہ ہے کہ بیک وقت صرف ایک بیوی پر اکتفا کیا جائے نہ اس کے علاوہ اخنوں نے کئی ایک مقابلوں میں ملک کے اندر راجح شدہ بُری رسومات اور عادات کی مذمت کی اور ان کی اصلاح کی مذورت پر زور دیا۔ اخنوں نے رشوت خوری کو ایک مذموم بیماری قرار دے کر اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ چھوٹے چھوٹے معاملات تک میں عدل و انصاف حاصل کرنے یا سرکاری کارروائی نافذ کرنے کی غرض سے رشوت عام طور پر مسلم اور راجح ہے، آپ نے بتایا کہ اس کا سختی سے سداب ہونا چاہیے۔ اللہ

اس دوران میں مصنفوں نگاری کے علاوہ شیخ محمد عبدہ نے عملی طور پر بھی اصلاح کے لئے بہت کچھ کیا۔ مارچ ۱۸۸۱ء میں تعلیم کی جواہی کو نسل قائم کی گئی، محمد عبدہ کو اس کا امیر بنایا گیا۔ آپ اس سب کمیٹی کے ممبر بھی چنے گئے جو تمام مدارس میں تعلیمی پروگرام کو بہتر بنانے کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ دوسرے مکھیوں کی طرح محکمہ اوقاف بھی آپ کے مفید مشوروں اور تجاویز سے فائدہ اٹھاتا تھا۔

شیخ محمد عبدہ کل اٹھارہ ہیئتے ہنک "قائل المصریہ" کے ایڈٹر ہے۔ مئی ۱۸۸۲ء میں ان کو ایڈٹری ہے اگاہ کر دیا گیا۔ جولائی ۱۸۸۲ء میں عربی پاشا اور انگریزوں کے درمیان جنگ کے بعد انگریز ملک پر تقابل ہو گئے۔ عربی اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ چلا یا گیا۔ شیخ عبدہ پر بھی عربی کی تحریک میں حصہ لینے کا الزم تھا ان پر مقدمہ چلا اور انہیں تین سال کے لئے جلاوطن کر دیا گیا۔ شیخ عبدہ شام اور وہاں سے بیروت پلے گئے کچھ عرصہ

وہاں قیام کرنے کے بعد اپنے استاد و رہنمایہ جمال الدین افغانی کی دعوت پر پرس چلے گئے۔ جہاں دونوں نے ایک انجمن "عروۃ اللوثقیٰ" قائم کی اور اسی نام سے ۱۸۸۲ء کو ایک عربی رسالہ بھی جاری کیا۔ اس جریدے میں شائع ہونے والے مقالات کا مرکزی خیال سید صاحب کا ہوا کرتا تھا اور اسے لکھتے شیخ محمد عیدہ تھے۔ اس رسالے کے مقاصد جریدے سے کے اپنے الفاظ کے مطابق یہ تھے:-

"یہ جریدہ بقدر امکان مشرقی قوموں کے سامنے ان صورتی کاموں کی تفصیلات بیان کرے گا جن میں کسی طرح بھی کی کرنا بربادی، مکروہ کی اور تباہی کا سبب ہے۔ وہ ان راستوں کی طرف رہنمائی کرے گا جن پر چلنے والی مافات کے لئے از لبس صورتی ہے۔ یہ جریدہ مشرق کے اعلیٰ طبقہ کی نگاہوں سے پر وہ اٹھانے کی کوشش کرے گا اور ان شبہات کو دور کرے گا جن کی وجہ سے ہدایت اور کامیابی کا راستہ ان کی نظرؤں سے چھپ کیا ہے۔ یہ جریدہ اس غلط خیال کو مٹانے کا کام مسلمان اپنے اسلام کے قائم کردہ اصول کا سیاہی پر کاربندرہ کر کامیابی نہیں حاصل کر سکتے۔"

جریدہ "عروۃ اللوثقیٰ" کا خطاب عام طور پر مشرق اور خصوصاً مسلمانوں سے ہوتا تھا اور وہ انہیں برطانوی استعمار کے خلاف اس بھارت تھا۔ انگریزوں کو درپیا ہو گیا کہ اگر یہ رسالہ نکالتا ہے تو ان کے خلاف لغاوت کے خیالات پھیل جائیں گے۔ چنانچہ "عروۃ اللوثقیٰ" کا داخلہ مہدوستان اور مصر میں بند کر دیا گیا۔ اور اس طرح رسالہ کی اشاعت ممکن نہ رہی، اس کے بعد سید صاحب روسر اور شیخ محمد عبدہ انگلستان چلے گئے جہاں انہوں نے انگریزوں کے ساتھ مسلک سودان پر تبارک خیال کیا۔ ساتھ ساتھ مصر کے مسائل پر بھی بحث ہوئی۔ اور انگریزوں پر پری واضح کیا گیا کہ مصری اگرچہ ناخواندہ ہیں لیکن ان میں طبی شعور کا خداوند نہیں۔ ان کا دین، دینِ اسلام ہے، جو ان کو کبھی بھی عین ملکیوں کے آگے جھکنے کی اجازت نہیں دے گا۔

۱۸۸۵ء کے اوائل میں شیخ محمد عبدہ بیروت چلے گئے، کافی نسب و فراز دیکھنے کے بعد استاد کے اثر سے مزاج میں جو گرمی پیدا ہو گئی تھی وہ کچھ ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ وہاں ہر چیز کو عقل اور منطق کی عینک سے دیکھنے لگے۔ ان کا لیفین پختہ ہو گیا کہ جب تک مذہبی اصلاح نہ ہو، دوسرا ساری یاتیں بے اثر ہوں گی۔ بیروت میں ان کو "مدرسہ السلطانیہ" میں استاد مقرر کیا گیا۔ جہاں انہوں نے "اسلامی نظریات" پر بڑے اہم اور بنیادی تکمیر دیئے۔ انہیں لکھر ز کو بعد میں ترمیم کے ساتھ "رسالۃ التوحید" کی شکل میں پیش کیا گیا۔ دریں اشاعر سلطنت عثمانیہ کے فرمان رو اسلطان عبدالحمید نے شیخ الاسلام کی صدارت میں اسلامی مدرس کی اصلاح کے لئے

ایک کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ شیخ محمد عبدہ نے مروجہ نظامِ تعلیم کی خرابیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کی اصلاح کے لئے بڑی مفید تجویزیں پیش کیں۔ شیخ الاسلام کے نام ایک مکتوب میں انہوں نے لکھا ہے۔

"پورے تعلیمی نظام کو تین درجوں میں تقسیم کیا جائے۔ درجہ اول عام لوگوں کے لئے ہو جو مختلف قسم کے پیشے اختیار کرنا چاہئے ہوں۔ ان لوگوں کو مسلمان اسلامی اصول سکھانے ضروری ہیں لیکن ان کو مختلف فرقتوں کے اختلافات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ حرام و حلال کی تمیز ضروری ہے۔ انہیں مختصر اسلامی تاریخ بھی پڑھانی جائے۔ علاوہ ازیں ان کو وہ وجہات بھی بتائی جانی چاہیں جن کی وجہ سے اسلام اتنی سرعت کے ساتھ پھیلائتا۔"

"درجہ دوم ان لوگوں کے لئے ہو، جو سرکاری و فرقتوں میں ملازمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ان کو منطق، فلسفہ، دین میں عقل کی اہمیت، اخلاقیات، سلفت کی نہادگی کے حالات اور دین اسلام کی مختصر تاریخ پڑھانا لازمی ہے۔ درجہ سوم میں وہ لوگ آتے ہیں جو مدرسی کاپیشہ اختیار کرنا چاہئے ہوں۔ ان کو نہ ہمیں علوم پر پورا عبور حاصل کرنا چاہئے۔ وہ عربی زبان میں استعداد حاصل کریں۔ قرآن کریم کا مطالعہ اس انداز سے ہونا چاہیے کہ وہ خاص حالات جن میں قرآن نازل ہوا تھا، اس کا نقشہ سامنے آجائے تاکہ اصل مفہوم واضح ہو جائے۔ صحیح احادیث کا جانا بھی از لبس ضروری ہے۔ اس کے علاوہ فقر، اخلاقیات نیز قدیم و جدید تاریخ نہ صرف عظمت کے زمانے کی بلکہ زوال کے زمانے کی بھی۔ تاکہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب بھی معلوم ہوں۔"

۱۸۸۷ء میں شیخ محمد عبدہ کو مصر جانے کی اجازت مل گئی۔ انگریزوں کو لیتین تھا کہ عبدہ جو نہ ہمیں اصلاح کو فوکسیت دیتے ہیں، سیاست میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ خدیو پر لارڈ کر ورنے دباؤ ڈالا تھا کہ وہ عبدہ کو مصر آنے کی اجازت دے دے۔ مصریں والپی پران کو ایک مقامی عدالت میں قاضی مقرر کیا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں ترقی دے کر ان کو مفتی بنادیا گیا۔ اسی سال ان کو مجلس شوریٰ کا مستقبل ممبر بھی نامزد کیا گیا۔

جب شیخ محمد عبدہ والپی مصر پہنچ چ تو ملک پر انگریزوں کا مکمل قبضہ تھا، مصر کی سیاست میں اس وقت دو پارٹیاں اہم کردار اکر رہی تھیں۔ ایک پارٹی ازہری قدامت پسندوں اور ان کے رفقاء کی تھی جو جدید علوم اور مغربی افکار کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار تھی۔ دوسری اگر وہ جس کی قیارت مصطفیٰ کامل کر رہے تھے، جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا تھا۔ یہ لوگ سیکولرزم کی طرف مائل تھے اور مغرب کی ہر چیز کو قبول کرنے پر آمادہ تھے۔

علاوه اذیں اس گروہ کا یہ خیال تھا کہ ہمیں سب سے پہلے انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنی چاہئے۔ اور اس کے بعد اصلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہئے۔ محمد عبدہ نے ان میں سے کسی سے بھی اتفاق نہ کیا کیونکہ دونوں ان کے نزدیک انتہا پسند تھے۔ انھوں نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ وہ نہ تو ماضی کی طرف لوٹنے کے حق میں تھا اور نہ مغرب کی اندھادھن تقلید کے لئے تیار تھے۔

جہاں تک انگریزوں کا تعلق ہے، وہ ان کے پہلے جتنے مخالف تھے، جلوہ طنی کے بعد اسی قدر ان کے قریب ہو گئے ان کا یہ خیال تھا کہ مصروفیں کو آزادی اس وقت ملنی چاہئے، جب وہ تعلیم کے میدان میں آگئے ہوں اور ان کے مذہبی عقائد درست ہوں۔ انگریزوں کے زمانے میں حالات کچھ اس طرح بدل رہے تھے کہ محمد عبدہ اس صورت حال سے مطمئن تھے۔ چنانچہ عبدہ نے مدرسی انگریزوں کے عارضی قیام پر اعزاز اپنے ہمیں کیا بلکہ وہ ان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ ایک دفعہ کسی ہندوستانی نے ان سے عیزوں کے ساتھ موالات کے بارے میں فتویٰ پوچھا عبدہ نے چاروں مذاہب کے چیزہ چیزہ علماء کا فقط نظر پیش کرنے کے بعد یہ فتویٰ دیا:-

”كتاب و سنت او سلف صالحین کے عمل سے یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے غیر مسلموں اور عیزیز صالحین سے مدد انتکار و لہے جو لوگ مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے اور یتامی کی تربیت کے لئے غیر وطنی کی مدد کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ آنحضرت صلعم اور ان کے اصحاب کرامؐ کے اسوہ حسنہ پر چلتے ہیں۔ جوان مسلمانوں کو کافر یا فاسق کہتے ہیں تو وہ خود کافر اور فاسق ہیں۔ داعیوں پر لازم ہے کہ اپنی دعوت کی اشاعت میں کوشش کریں اور ملامت کرنے والوں کی ملات کی پرواہ کریں اور نہ ان کی گالی سے رنجیہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی کامیابی کا ذمہ دار ہے اگر وہ حق و صبر کا دامن تھامے رہیں۔“ ۳۱۲

فتاویٰ کاغزی متن یہ ہے :-

فقد قامت الأدلة من الكتاب والسنة وعمل السلف على جواز الاستعانة لغير المؤمنين وعنده صالحين، على مأنيه خير ومنفعة للMuslimين، وإن الذين يعمدون إلى هذا الاستعانة يجمع كلمة المسلمين وتربيتهم إيتاً لهم، وما مأنيه خير لهم، لم يفعلوا إلا ما اقتضته الأسوة الحسنة بالنبي

۳۱۲ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ جلد اول۔ صفحات ۸۴۶ و بعد

۳۱۳ سید محمد شید رضا۔ تاریخ استاذ الامام۔ جلد اول (قاہرہ ۱۹۳۱ء) ص ۷۷۶

اصحابہ، وان من کفر هم افسقہم فہوین احمد الاصرین اماماً کافر اور فاسق، فعلی دعاء الخیر ان مجده و
فی دعوتهم و ان یمیضوا علی طریقہم ولا یخین نہم شتم الشامین، ولا یعنیظہم لوم اللامین، فالله کفید
لهم بالنصر اذا انتصروا بالحق والصبر والله اعلم۔ (تاریخ الاستاذ الامر)

شیخ محمد عبدہ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ جامعہ ازہر کی اصلاح کی جائے۔ اس سے پہلے حکومت نے
سرکاری سطح پر ازہر میں اصلاح کی کوشش کی تھی لیکن ازہری شیوخ نے اس میں روٹے اٹھائے تھے۔
اور اصلاح کی کوشش کو ناکام بنا دیتا تھا۔ خدیو توفیق کی وفات کے بعد جب عباس اول کو وی آنسے بلکہ مند اقتدار پر
بٹھایا گیا تو عبدہ کو اس نوجوان سے ازہر میں اصلاح کی امید پیدا ہو گئی۔ جب ان کی خدیو سے ملاقات ہوئی تو اس نے
شیخ عبدہ سے ازہر کی اصلاح کے لئے تجاویز پیش کرنے کو کہا۔ تجاویز پیش کرنے پر شیخ حسوہ کی زیر صدارت
ایک مجلس انتظامیہ کے قیام کا اعلان کیا گیا جس میں شیخ محمد عبدہ اور شیخ عبد اللہ کرم سلمان سرکاری نمائندے
تھے۔ ابتداء میں تو شیخ عبدہ کو قدر سے کامیابی ہوئی۔ لیکن جب نصابی کتب اور طریقہ تدریس کی باری آئی تو
ازہری شیوخ نے ان کے راستے میں روٹے اٹکانا شروع کئے اور وقتی طور پر ان کی سیکم ناکام ہو گئی۔ شیخ عبدہ
کا خیال تھا کہ دین اسلام عقل اور فہم کا دین ہے۔ اس لئے دین میں عقل کو وہ بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ رسالت
التوحید میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

”قرآن میں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم مخلوق کو دیکھیں۔ اس کے بارے میں سوچیں اور حقائق معلوم
کریں۔ وہ مہیں ان لوگوں کی تقلید سے منع کرتا ہے جنہوں نے اپنے آبا و اجداد کی اندھی تقلید کی اور مشجعہ ان کے
عقائد پر آنندہ ہو گئے اور وہ خود بحثیت ایک امت کے مٹ کئے۔“ ۱۳

لیکن شیخ عبدہ کے نزدیک یہی عقل کا تقاضا ہے کہ ان حدود کا اعتراف کیا جائے جن سے کہ آگے عقل
انسانی نہیں جاسکتی۔ چنانچہ آگے چل کرو وہ رسول اللہ صلیعہ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں: ”تفکروا فی خلق اللہ
ولا تقدروا فی ذاته فتھلکو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر فکر کرو لیکن اس کی ذات پر فکر نہ کرو و مبادا تم
تباہ ہو جاؤ۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بجاے خود مستند ہو یا نہ ہو لیکن عام مطالب کے اعتبار سے اور قرآن کی
مفصل تعلیمات سے اس کی تقدمیت ہوتی ہے ۱۴ لہذا قرآن اور احادیث ہموئی سے یہ بات ثابت ہے کہ عقل

دین اسلام کی مدد و معاون ہے۔ اس صحن میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

"قرآن کی اس آیت) هو الذی خلق نکم مافی الارض جمیعاً۔ وہ جس نے زین میں تمہارے لئے سب کچھ پیدا کیا۔ سے ظاہر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی ظاہری یا مخفی شے کو مستثنی امہنیں کیا۔ نہ اس نے راستے میں جس پروہ سچائی کی جاتی ہے تھے کوئی رکاوٹ پیدا کی۔ اس لئے کہ قرآن نے عقل کو زیادہ سے زیادہ اہمیت کا مقام عطا فرمایا۔ اس کو مسرت کے حصول کے متعلق، حق و باطل کے درمیان امتیاز کے معاملے میں اور رحمت سے اور رعایت امور کے مسئلے میں آخری فیصلے کا حق دار رکھ رکھایا ہے۔ اور اس لئے رسول اللہ صلیح کی مستند حدیث ہے۔ انتقام اعلم باموس دنیا حکمرانِ تم دنیاوی معاملات میں زیادہ جانتے ہو) علاوه اذیں حصتوں صلم نے خود جنگ بد کے موقع پر ایسے تحریکات کو، جو قابلِ اختصار ثابت ہو جپکے تھے اور ایسی آراء کو قبول کر کے جو صحیح ثابت ہو جپکے تھیں، ہمارے لئے ایک پاکیرہ سنت قائم کر دی ہے۔^{۱۶}

دین میں تفرقہ پھیلانے والوں اور مختلف عقائد پر لڑنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں:- "ہمارا جس چیز پر عقیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ دین اسلام عقائد کی وحدانیت کا دین ہے نہ کہ احکام میں افراط و تفریط کا۔ عقل اس کے مصبوط ترین مددگاروں میں سے ہے اور نقل اس کے قوی ترین ارکان میں سے ہے۔ اس کے علاوہ یا تی سب شیطانی وسو سے ہیں"۔^{۱۷}

شیخ محمد عبدہ عمر بھرنہ صرف قدیم علوم میں نئی روح پھونکنے کی تکمیل و دو میں مصروف رہے بلکہ وہ جدید علوم کو بھی طبعی اہمیت دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جدید علوم ترقی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ مغرب نے جو مادی اور روحاںی ترقی کی ہے، وہ جدید علوم ہی کا نتیجہ ہے۔ لہذا مسلمانوں کو اس میدان میں ان کی پیروی کرنی چاہیے اسے یہ علوم خود ان کی ہی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ مسلمان دین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے مجھی ان کو اختیار کر سکتے ہیں، کیونکہ اسلام بذاتِ خود عقل کا دین ہے۔ لہذا جدید علوم کی بھی حالت میں اسلام کے منافی نہیں

بلکہ یہ تو اسلام کے مدد و معاون ہیں۔^{۱۸}

ٹرانسوال (افریقیہ) کے بعض مسلمانوں نے شیخ محمد عبدہ سے یہ استفسار کیا:-

- ایک جنگلی کاٹے کے سر پر پتوار ماری جاتی ہے جس سے وہ گر پڑتی ہے اور سبم اللہ پر ہے بغیر ذکر کی جاتی ہے۔ کیا اس کا کھانا حلال ہے؟

^{۱۶} رسالت التوحید ص ۳۱۷۔ ^{۱۷} الفیض ص ۲۲۳۔ ^{۱۸} تاریخ جلد دوم ص ۳۳۴۔

^{۱۹} محمد عبدہ۔ الاسلام والنصرانیہ ص ۲۰۷۔ البرٹ ہواری۔ عمرک تھاث ان دی لرل ایج۔ ص ۲۵۸

۲۰۔ اس طک کے لعین لوگ بعض مصالح اور فوائد کے پیش نظر ان سُکرینی ٹوپیاں استعمال کرتے ہیں، ان کا پہنچا کیا ہے؟

شیخ محمد عبدہ نے اول الذکر کے بارے میں حلال ہونے کا فتویٰ دیا۔ اس پر علماء مصر نے ایک قیامت برپا کر دی اور کہا کہ یہ تموقودہ کے حکم میں آتا ہے جن کا کھانہ حرام ہے شیخ عبدہ نے کہا۔ موقودہ تو وہ ہوتا ہے جس کو کندہ سُکریاً پتیر یا لکڑی سے مارا جائے۔ لیکن اس کاٹے کو تو مر نے سے پہلے ذبح کر دیا گیا تھا۔ موخر الذکر یعنی سُکرینی ٹوپی پہنچنے کے جواز کا بھی فتویٰ دیا گیا۔ شیخ عبدہ کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس ٹوپی کا پہنچنے والا اسلام کو چھوڑ کر دوسرے نبہ احتیار نہیں کرنا چاہتا تو اس کو کافر کیسے سمجھا جائے گا؟ اس سے غرض تصریف و حکومت اور جسمانی صفر سے بچتا ہے۔ اس میں کوئی ناپسندیدہ بات نہیں تھی۔

شیخ محمد عبدہ کے مسدر جو بالا فتوؤں سے دراصل مقصودیہ تھا کہ ایک ہی چکرہ کو مختلف مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اور وہ ایک دوسرے کا کھانہ کھالیا کریں۔ ان کی خواہش تھی کہ سب مذاہب کے لوگ آپس میں اچھے پڑو سیوں کی طرح رہیں۔ اور یہ کہ دو دنیا ایک اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہر زمانے اور حالات میں مطابقت کرنے کا ہے۔ لیکن ان کے ہم صرمان کوئی سمجھ سکے۔ چنانچہ ان کے خلاف ایک ہنگامہ پیپارکر دیا گیا۔ علماء اور سیاسی مخالفین نے ان کی مخالفت میں کوئی کسرتہ اظہار کی۔ انہیں ہر طرح سے مذہم کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن شیخ عبدہ ایک عظیم انسان تھے۔ وہ ان نامساعد حالات سے ذرہ بھر نہیں گھرا گئے بلکہ سینہ پر ہو کر اصلاحی تحریک کو آگے بڑھاتے رہے۔

جون ۱۸۹۹ء میں شیخ محمد عبدہ کو مصر کی مجلس قانون ساز کا مستقل رکن چن لیا۔ بہت ہی کم مدت میں اخنوں نے اس مجلس میں اپنے لئے ایک الگ مقام پیدا کر لیا۔ ان کی آراء عنہیت احترام سے سنبھالی گئیں اور لکڑان کے مشوروں پر عمل کیا جاتا تھا۔ مائنہ حکومت کے قیام کے سلسلے میں مصر میں ابھی ابتدائی اقدام کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں ان کے مشوروں نے بڑے مفہید تباہت ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن نے ہمیں اعلیٰ اور مکمل اصول دیے ہیں، جن پر ہم اپنی حکومت کی بنیادیں استوار کر سکتے ہیں۔ جہاں تک دنیاوی اور معاشرتی معاملات کا تعلق ہے، اللہ نے ہمیں مکمل آزادی دے دی ہے۔ اہل السنّۃ اور سنّۃ نبی پر قرآن اور سنت صحیحہ کے علاوہ کوئی اور باندیشی نہیں اور قرآن اور سنت تہذیب و تدنی کی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ اگر مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ عوام یا حدیث صحیح کی واضح نص شہرو را اور ایسے نصوص جو کہ دنیاوی معاملوں کے بارے میں ہوں، بہت کم ہیں

جیسا کر رازی نے فرمایا ہے) بلاشبہ مسلمان مقتدر اعلیٰ ہیں اس کا عربی متن یہ ہے:-

فَلَامُ الْذِي لَا رَبِّ فِيهِ: أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى هُدَانًا إِلَى أَفْضَلِ وَأَحْمَدِ الْأَصْوَلِ وَالْقَوَاعِدِ الْبَشَّيَّ عَلَيْهَا حُكْمَتُنَا وَنَقِيمَ بِهَا وَلَنَا وَكُلُّ هَذَا الْيَنَاءُ الْيَنَاءُ اعْطَانِي بِذَلِكَ الْحُرْيَةَ الْأَعْمَةَ وَالْاسْتِقْلَالَ الْكَاملَ فِي أُمُورِنَا الدِّينِ وَمُصَاحَنَا الاجْتِمَاعِيَّةِ وَذَلِكَ أَنَّهُ جَعَلَ امْرَنَا الشُّورِيَّ بِنَيَانِنَاظِرِ فِيهِ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ وَالْمَكَانَةِ الَّذِينَ شَقَّ بِهِمْ وَيَقِيرُونَ لِتَافِ كُلِّ شَرِّ مَنْ مَا تَقْوِيمَهُ مَصْلِحَتُنَا وَلَسْعَادَتُنَا لَا يَقِيدُونَ فِي ذَلِكَ بَقِيَّةِ الْاَهْدَاءِيَّةِ الْكِتَابِ الْعَزِيزِ وَالسُّنْنَةِ الصَّحِيحَةِ الْمُبَيِّنَةِ لَهُ وَلَيْسَ فِيهَا قِيَودٌ تَمْنَعُ سَيِّرَ الْمَدِينَةِ أَوْ تَرْهِقَ الْمُسْلِمِينَ عَسْرَّاً فِي عَمَلِ مِنَ الْأَعْمَالِ بِإِلَاسْسِهَا الْبَيِّنَ وَرَفْعَ الْحَرْجِ وَالْعَسْرِ وَحِظْرَ الْضَّارِّ وَبِيَاهِةِ النَّافِعِ، وَكُونِ مَاجِرِ مِلَذَاتِهِ يَسِّحَّ لِلصَّرْوَةِ وَمَا حَرَمَ لِسَدِ الْذَّرِيعَةِ يَسِّحَّ لِلْمَاجِةِ وَمِرْعَاهَ الْعَدْلِ لِذَاتِهِ وَرَدِ الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَلَكُنَّا مَأْرِعِينَ بِهَذَهُ الْهَدَايَةِ حَقَّ رِعَايَتِهَا فَقَيَّدَنَا الْفَسَنَا بِالْوَفِيفِ مِنَ الْقِيَودِ الَّتِي اخْتَرَعْنَا هَا وَسَيَّنَا هَا دِيَنَا فَلِمَا اقْعَدْنَا هَذَهُ الْقِيَودَ عَنْ مِحَاسِنِ الْأَصْمَانِ فِي الْمَدِينَةِ وَالْعُمرَاتِ صَارَ حَكَامُنَا الَّذِينَ خَرَجُوا بِنَاءً عَنْ هَذَهِ الْأَسْسِ وَالْأَصْوَلِ الْمُقْرَرَةِ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنْنَةِ فَرَلَقِيَنْ فَرِيقٌ صَنَوَا بِالْقَعْدَوْ وَاخْتَارُوا الْمَوْتَ عَلَى الْحَيَاةِ تَوْهِمًا مِنْهُمْ بِحَافَظَهُمْ عَلَى قِيَودِ هُمُ الْتَقْلِيدِيَّةِ مَحَافَظُونَ عَلَى الْإِسْلَامِ. قَائِلِيَنْ إِنَّ الْمَوْتَ عَلَى ذَلِكَ خَيْرٌ مِنَ الْحَيَاةِ يَاتِيَ عَغْيَرِ الْمُسْلِمِينَ فِي أَصْنُوْلِ حَكْمَتِهِمْ وَفَرِيقًا رَأَوْا إِنَّهُ لَأَبْدِلُهُمْ مِنْ تَقْلِيدِ غَيْرِ الْمُسْلِمِينَ فِي قَوَانِينِهِمُ الْأَسَاسِيَّةِ وَالْفَرِعِيَّةِ فَكَانَ كُلُّ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ يَجْعَلُهُ حَيَّةً عَلَى الْإِسْلَامِ فِي الظَّاهِرِ وَالْإِسْلَامِ حَيَّةً عَلَيْهِمْ فِي الْحَقِيقَةِ تَكَبَّرَ اللَّهُ عَلَى الْبَيْوتِ وَنُورَةُ مَتَّلِقٍ لَا يَخْفِي وَانْ جَعَلَوْهُ بَيِّنَهُ وَبَيِّنَهُمْ أَلْفَنْ حَيَاً (٦: ١٧) قُلْ فَلَلَهِ الْحَمْدُ الْبَالِغُهُ لِسِينِ الْقَاتِلُونِ الْأَسَاسِيِّ الَّذِي قَرَرَتِهِ هَذَهُ الْأَلْيَةُ عَلَى إِيجَارِهَا وَبَيْنِ الْقَوَانِينِ الْأَسَاسِيَّةِ لَأَرْقَى حَكَومَاتِ الْأَرْضِ فِي هَذَهُ الْأَزْمَانِ الْأَفْرَقِ لِيَسِّرْنَ حِكْمَتِهِ اتِّرَبَ إِلَى الصَّوَابِ وَاشْتَهَتِ فِي الْاِتِّفَاقِ مِنْهُمْ إِذَا نَحْنُ عَلَّمْنَا بِمَا هَدَانَا إِلَيْهِ رَبِّنَا: هُمْ يَقُولُونَ أَنَّ مَصْدَرَ الْقَوَانِينِ الْأَمَمَّةُ وَنَحْنُ نَقُولُ بِذَلِكَ فِي عَنْيِّ الْمَنْصُوصِ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنْنَةِ كَمَا فَرَرَهُ الْأَمَمُ الرَّازِيُّ الْفَنَّاءُ وَالْمَنْصُوصُ قَلِيلٌ جَدًا۔

غَوْرُ مُسْلِمٌ مَقْتَدِرٌ اَعْلَى ہیں لیکن چیزیکن چیزیکن لپوڑی قوم قانون سازی کا کام سرا جنم نہیں دے سکتی لہذا وہ اپنے نمائندوں کو چین لیتی ہے جو کہ قانون سازی کے ساتھ ساتھ حکمران جماعت کی گھر ان بھی کرتے ہیں یہ لوگ اصل میں اولی الامر ہیں۔ رشید رضا کے قول کے مطابق محمد عبدہ اس آیت "اطیعوا الله واطیعوا الرسول واطیعوا الامر مکتمل" پر کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیج پر پہنچ کر

"اولی الامر سے مسلمانوں میں سے اہل الحل والعقد کی جماعت مراد ہے۔ جو کہ حکمران جماعت، علماء فوج کے قائدین اور ان دوسرے رؤسائے اور زعماء پر، جن کی طرف لوگ عام مصالح اور ضروریات کے وقت رجوع کرتے ہیں، مشتمل ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب دنیاوی امور کے بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ کرتے ہیں، تو عوام پر ان کی اعتماد نمی ہو جاتی ہے لیشت طیکہ یہ لوگ ہم میں سے ہوں اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مخالفت نہ کر رہے ہوں۔ اور جہاں تک عبادات اور دینی عقائد کا تعلق ہے، اہل الحل والعقد کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اللہ اور رسول نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ کافی ہے کسی کو ان میں رائے زندگی کی ضرورت نہیں، سو اس کے جواب سے فہم میں آئے؟"

۲۲

ایک اور موقع پر شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں کہ یہ عام تاثر جو دیا جا رہا ہے کہ علماء اولی الامر میں۔ یا یہ کہ حکمران ہی اولی الامر ہیں، صحیح نہیں ہے ۲۳ اولی الامر کے اختاب کا عامل خاص حالات اور وقت پر مخصوص ہے لیکن اس ضمن میں جو اصول پیش نظر ہیں اپنے یہی وہ CHECKS AND BALANCE کا یعنی عوام یہ دیکھیں کہ ان کے نمائندے کہیں اختیارات کا ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھا رہے ہیں۔ اگر عوام یہ محسوس کریں تو ایسے لوگوں کو دوبارہ منتخب نہ کریں ۲۴ اسی طرح نمائندوں کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ عوام کو بھلانی کی تلقین کریں اور ان کو بھی کاموں سے باز کھیں۔ حکمران جماعت اگر اہل الشوریٰ کا بنا یا ہوا فائز نافذ کرنے میں ناکام رہے تو اہل الشوریٰ کو باز پرس کرنے کا حق حاصل ہے۔

محمد عبدہ نے نہ صرف اسلام کو اندر و فی خطروں سے بچانے کی سعی کی بلکہ وہ بیرونی حملوں کی مدافعت بھی کرتے

۲۴ ان المردی اولی الامر جماعة اہل الحل والعقد من المسلمين وهم الامراء والحاکماء والعلماء ورؤسائے الجمادات وسائط الرؤسائے والزعماء الذين يرجع اليهم الناس في المحاجات والمصالح العامة فهو لا اذ الفتن على امرائهم وحكمائهم وحيث ان يطاعوا فيه لشیطان يكونوا ممنا وان لا يبنوا امر الله ولا سنته رسوله صلى الله عليه وسلم التي عرفت بالتواتر وان يكونوا اخترارين في بحثهم في الامر والتفاوتهم عليه وان يكونوا يتافقون عليه من المصالح العامة وهو ما لا ولد امر سلطنة فيه وقوف عليه واما العبادات وكان من قبل الاعتقاد الدينية فلا يتعلق به امر الحل والعقد بل هو ما يريخذ عن الله ورسوله فقط ليس لاحد ران في منه الاما يكعون في فهميه۔

سید رشید رضا۔ تفسیر قرآن الحکیم۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۱

۲۵ تفسیر۔ جلد چہارم۔ ص ۳۰۳۔ ۲۶ تفسیر۔ جلد پنجم ص ۲۳۷

رہے۔ فرانس کے وزیر امور خارجہ ہانٹو (M. HANOTAUX) نے اپنی حکومت کو "دنیا کے اسلام کے ساتھ کس طرح بہتر تعلقات پیدا کئے جائیں،" کے بارے میں ایک نوٹ پیش کیا، جس کا ایک عربی اخبار میں ترجمہ کیا گیا۔ اس مقالے میں وزیر موصوف نے دوسری باتوں کے علاوہ اسلام اور مسیحیت کا تقابلی جائزہ لیا تھا اور اس ضمن میں ذات الہی کی نوعیت پر لیں افہام خیال کیا تھا کہ :-

"عیسائیوں کا عقیدہ تسلیث انسان کی قدر و وقت اور ذات الہی سے اس کے قرب کا مظہر ہے۔ لیکن توحید اور خدا کے مارکے اداک ہونے کے متعلق مسلمانوں کا جو عقیدہ ہے، وہ انسان کی جیت حقیقتی اور بے بسی کو ظاہر کرتا ہے۔ مسیحیت نے انسان کو فاعلِ مختار قرار دے کر اس کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ مسائل کا عملی استعمال کر سے۔ اور خدا عتمادی سے کام لے۔ لیکن اسلام نے تقدیر کا عقیدہ پیش کر کے انسان کو مجبور کر دیا ہے کہ اندھا رہندا ایک ایسے قانون کے آگے سرتبم خرم کر دے، جو قطعی طور پر غیر متفہر ہے" ॥

شیخ محمد عبده نے جب اس مقالے کو پڑھا تو فوراً اس کا جواب اسی اخبار میں چھپیا جس میں ہانٹو کے مقالے کا عربی ترجمہ شائع ہوا تھا، انہوں نے لکھا کہ

"توحید کا مسئلہ سافی نہیں بلکہ صرف عیرانی عقیدہ ہے۔ کیونکہ فتنی، عرب اور دوسرے سامی مشترک تھے۔ جہاں تک تقدیر کے مسئلے کا تعلق ہے، تو اس کی بخشی کسی ایک منصب سے مخصوص نہیں ہیں اس کے علاوہ انسان کی خود مختاری کا مسئلہ خود مسیحیوں کے ہاں بھی متفق علیہ نہیں کیونکہ طبق مسٹر یادو میں کنکن "خبریہ" ہی اور جیسوٹ "قدیریہ" ہیں۔ قرآن جبریت سے انکار کرتا ہے اور کوئی چیزیں لیں آیات میں تفسیر و اختیار کی تعلیم دیتا ہے اور سبی وہ روح تھی جس کے تحت رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور مسلمانان سلف نے نہایت سرعت سے اسلام کی اشاعت کی ۔۔۔ بلاشبہ بعد میں مسلم اقوام پر جبور و غفلت نے تسلط جایا۔ یہ بعض ایسے تصورات کا اثر تھا جو بعض صوفیوں نے پھیلایا۔ لطف یہ ہے کہ یہ تصورات بھی آرین تھے جو ہندوستان و ایران سے آئے ۔۔۔ توحید کا عقیدہ ایسا ہے جو کہ عقل انسان کی مرد سے بھی قائم کیا جاسکتا ہے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے جبکہ عقیدہ تسلیث میں تو عقل کو کوئی دخل ہی نہیں" ۲۵

۲۵ چارلس۔ سی۔ ایڈمز۔ "اسلام اور تجدید مصر میں" (اردو ترجمہ سے عبد المجید سالک) ص ۱۳۲-۱۳۳

تفسیلات کے لئے ملاحظہ ہوتا ہے استاد الامام۔ جلد دوم کا ایڈیشن بسفحات ۱۵ ام و بعد۔